سچر کمیٹی رپورٹ کا خلاصہ

وزیر اعظم کے دفتر نے مارچ ۲۰۰۵ء میں ایک نوٹی فکیشن جاری کرتے ہوئے اس بات کا نوٹس لیا کہ مسلم فرقہ کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی صورت حال کے بارے میں معتبر اعدادوشمار موجود نہیں ھیں۔ وزیر اعظم کے دفتر نے محسوس کیا کہ اس قسم کی حقیقی معلومات کی کمی مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی بدحالی کو دور کرنے کے لئے موثر منصوبہ بندی اور منصوبوں کے نفاذ میں آڑے آتی ھے۔ چنانچہ وزیر اعظم نے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل کر کے اسے یہ ذمہ داری دی کہ وہ مطلوبہ معلومات متعلقہ محکموں اور مرکزی و صوبائی ایجنسیوں سے حاصل کرے۔ اور اس سلسلے میں شائع شدہ اعداد و شمار، مضامین اور تحقیقاتی رپورٹوں کو جمع کر کے ان کا جائزہ لے۔ کمیٹی کو یہ بھی پتہ لگانے کو کہا گیا کہ مختلف ریاستوں اور خطوں میں دوسرے فرقوں کے مقابلے مسلمانوں کی آمدنی اور سرمایہ کی سطح کیا ھے اور ترقی کے مختلف پیمانوں مثلاً خواندگی کی شرح، درمیان میں تعلیم چھوڑ دینے کی شرح، مائوں اور بچوں کی شرح اموات وغیرہ کے اعتبار سے مسلمانوں کی سماجی و اقتصادی ترقی کا تناسب کیا ھے۔ آیا یہ مختلف ریاستوں میں ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق ھے۔ اگر نہیں تو اس میں کیا چیز رکاوٹ ھے۔ اسی طرح "دیگر پسماندہ طبقات" (اوبی سی) کے زمرے میں آنے والے مسلمانوں کا تناسب مجموعی اوبی سی میں کیا ھے۔ کیا مسلم پسماندہ طبقات کو قومی اور ریاستی بیک ورڈ کمیشنوں کے ذریعہ بنائی گئی فہرست میں درج کیا گیا ھے۔ او بی سی کے لئے محفوظ ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ کتنا ھے۔ کمیٹی کو یہ بھی پتہ لگانا تھا کہ تعلیم اورصحت کی سہولیات تک مسلمانوں کو کتنی رسائی حاصل ھے اورسول انفراسٹکچر جیسے اسکولوں اور اسپتالوں وغیرہ کی مسلم آبادیوں میں کیا کیفیت ھے۔ اسی کے ساتھ کمیٹی کو یہ بھی نشان دھی کرنی تھی کہ کن میدانوں اور شعبوں میں حکومت اپنی کوشش سے صورت حال کو بھتر بنا سکتی ھے۔

یہ رپورٹ جو کہ وزیر اعظم کو ۱۷ نومبر ۲۰۰۶ء کو پیش کی گئی اور پارلیمنٹ میں ۳۰ نومبر ۲۰۰۶ء کو رکھی گئی، اس میں کل ۱۲ ابواب ھیں۔ پھلا باب تعارفی ھے، دوسرے باب میں عوامی تاثرات پیش کئے گئے ھیں، جو کہ کمیٹی نے ملک گیر دوروں میں عوامی نمائندوں سے ملاقات کر کے حاصل کئے۔ تیسرے باب میں آبادی کا حجم اور مسلمانوں کی صحت نیز ان کے درمیان عوامی نظام تقسیم کی صورت حال پیش کی گئی ھے۔ دیگر ابواب میں تعلیم، اقتصادیات اور روزگار کی صورت حال کا تجزیہ کیا گیا ھے۔ اس کے علاوہ بنک قرضوں کی فراھمی، سوشل اور فزیکل انفراسٹکچر کی دست یابی، غربت کی سطح، معیار زندگی، سرکاری ملازمتوں اور ترقیاتی پروگراموں میں ان کی حصہ داری نیز مسلم پسماندہ طبقات کی صورت حال وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ھے۔ ایک الگ باب میں وقف املاک کی موجودہ صورت حال اور ان کی بھتری کی تدابیر نیز معاشی ترقی میں ان کی اھمیت اور امکانات وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ھے۔ آخری باب میں کمیٹی نے اپنی سفارشات پیش کی ھیں۔

کمیٹی نے پایا کہ ریزرویشن کے سوال پر مسلمانوں میں مختلف آراء پائی جاتی ھیں۔ کچھ لوگوں کا کھنا ھے کہ مساوی مواقع فراھم کرنے کا مقصد مساوی نتیجہ برآمد کرنا ھونا چاھئے نہ کہ محض رسمی اور علامتی مساوات کادکھاوا۔ چنانچہ ریزرویشن یا جداگانہ کوٹہ اس مقصد کو حاصل کرنے کاایک اھم ذریعہ ھوسکتا ھے۔ جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا ماننا ھے کہ ریزرویشن ایک متنازعہ ایشو بن سکتاھے اور اس کے منفی ردعمل سامنے آسکتے ھیں۔ اسی طرح کچھ لوگوں کی رائے یہ ھے کہ تفریق و تعصب کے ماحول کو ختم کر کے مسلمانوں کو بھترین تعلیمی سھولیات مساوی طریقے سے فراھم کی جائیں تو مسلمان مسابقت کی پوزیشن میں آسکتے ھیں۔ جو لوگ ریزرویشن کا مطالبہ یا اس کی حمایت کرتے ھیں ان میں بھی اس بات پر اختلاف رائے ھے کہ اس کا براہ راست فائدہ کسے حاصل ھو۔ کچھ لوگوں کا خیال ھے کہ یہ سھولت صرف دلت اور پسماندہ مسلم برادریوں کوھی ملے، جب کہ دیگر لوگوں کا کھنا ھے کہ پورے مسلم فرقہ کو پسماندہ قرار دے کر انھیں مجموعی طور سے ریزرویشن کی سھولت دی جائے۔ کچھ کے نزدیک صرف اقتصادی حالت کو ھی ریزرویشن کی بنیاد بنانا چاھئے۔ ایسے لوگوں کا یہ خیال ھے کہ سماجی تفریق کے مسئلہ کو حل کرنے میں مسلمانوں کے مجموعی ریزرویشن سے کوئی فائدہ نھیں ھوگا۔ مسلمانوں کے پست اور انتھائی پسماندہ طبقات کو درج فھرست ذات اور قبائل میں شامل کئے جانے کا مطالبہ بھی لوگ بڑی شدومد سے اٹھاتے ھیں۔

لوگوں کی ایک بڑی تعداد کا خیال ھے کہ مساوی مواقع اور مقام حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی سیاسی حصہ داری اور سرکاری

ملازمتوں میں ان کی نمائندگی ناگزیر ہے۔ بہت سے لوگ اس بات کے شاکی ہیں کہ طریقہ کار کی مختلف شکلوں کے ذریعہ مسلمانوں کو نمائندگی سے محروم کیا جا تا ہے۔ ووٹر لسٹوں سے مسلمانوں کے نام غائب ہونے شکایات بھی سامنے آئی ہیں۔کمیٹی کی توجہ اس بات کی طرف بھی دلائی گئی کہ مسلم اکثریت والے حلقہ ھائے انتخاب کو شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائبس کے لئے محفوظ کردیا جاتا ھے جب کہ شیڈولڈ کاسٹ کی اکثریت والے حلقوں کو محفوظ نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ یہ احساس سامنے آیا کہ مسلمانوں کو سیاسی حصہ داری سے بڑے منظم طریقے سے محروم کیا جارہا ہے۔کمیٹی نے محفوظ انتخابی حلقوں کے اعداد و شمار جمع کئے تو بے ضابطگیوں کی ان شکایات کو اس نے صحیح پایا۔

خواندگی کی شرح کے سلسلے میں کمیٹی نے پایا کہ مسلمانوں کی خواندگی کا تناسب قومی خواندگی کی شرح سے بہت نیچے ہے۔مسلمانوں کی خواندگی کی شرح اور اوسط قومی خواندگی کی شرح میں فاصلہ اور فرق شہری حلقوں اور خواتین کے درمیان زیادہ ہے۔ ٦ سے ١٤ سال کے مسلم بچوں کی ٢٥ فیصد تعداد نے کبھی اسکول کا منھ نہیں دیکھا۔ یا اگر داخل بھی ہوئے تو ڈراپ آئوٹ کر گئے۔ آزادی کے بعد تعلیمی سہولیات کی فراھمی میں مسلمانوں اور دیگر فرقوں کے درمیان یکسانیت قائم نہیں ہوئی۔کمیٹی نے پایا کہ ١٩٧٠ سے مسلمانوں اور دیگر فرقوں کے درمیان شہری اور دیہی علاقوں میں تعلیمی مواقع کی عدم یکسانیت بڑھتی چلی گئی ہے۔اعلیٰ تعلیمی اداروں میں٢٥ انڈر گریجویٹ طلباء میں سے ایك اور ٥٠ پوسٹ گریجویٹ میں سے ایك مسلمان ہے۔گریجویٹ مسلم نوجوانوں میں بے روزگاری کی شرح باقی تمام گروپوں کے مقابلے سب سے زیادہ ہے۔اسکول جانے والے بچوں میں سے مدرسوں کے طلباء کا تناسب صرف ٣ تا ٤ فیصد ہے۔اردو ٹیچنگ کی سہولیات کا پوری طرح فقدان ہے۔ ابتدائی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں کی کمی کی وجہ سے اردو میڈیم میں داخلہ لینے والوں کی تعداد بھی کم ہے۔

کمیٹی نے پایا کہ مسلم والدین اپنے بچوں کو مین اسٹریم ایجوکیشن (عام دھارے کی تعلیم) دلانے یا سرکاری اسکولوں میں بھیجنے سے گریزاں نہیں ہیں البتہ سرکاری اسکولوں تك مسلمانوں کی رسائی محدود ہے۔ لڑکیوں کے لئے ابتدائی تعلیم کے اسکول قریبی دائرے میں نہیں ہیں۔ گرلز ھاسٹلوں اور لیڈی ٹیچرس کا نہ ہونا بھی رکاوٹ کا سبب ہے۔ مختلف مذہبی فرقوں اور برادریوں میں تعلیمی پیٹرن کے فرق سے اندازہ ہوتا ھے کہ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائبس کی بہتری کے لئے تعلیمی ترقی کے جو سرکاری اور نجی اقدامات کئے گئے ہیں ان کا پھل ان طبقوں کو یقینی طور سے ملا ہے۔ اس سے ایجابی کارروائی (Affirmative Action) کے دستوری بندوبست کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ اسکولی تعلیم پر خصوصی توجہ کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی سہولیات کے مواقع مسلمانوں کے لئے مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے کچھ طبقوں میں ان کے پیشہ وارانہ ڈھانچہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے اپنی اسکولی تعلیم مکمل نہیں کی ھے صلاحیتوں کے فروغ (Skill Development) کے اقدامات بھی خاص طور سے کئے جانے کی ضرورت ہے۔

بیڑی ورکرس، درزی، اور مکینك طبقوں کو سماجی تحفظ اور سلامتی درکار ہے۔ پیشہ وارانہ اور انتظامی کیڈر میں مسلمانوں کی حصہ داری کم ہے۔ کسی تحریری معاھدے اور سماجی تحفظ کے بغیر ملازمت کے لئے مسلم ورکرز سب سے زیادہ آسانی سے دستیاب ہیں۔ مسلم ملازمین دوسرے مذہبی سماجی گروپوں کے مقابلے ملازمتوں میں کمتر اجرت پاتے ہیں۔ چوں کہ مسلمانوں کی ایك بڑی تعداد اپنے نجی روزگاروں پر منحصر ھے اس لئے قرضہ فراھمی اور صلاحیتوں کے فروغ کے اقدامات کی بھی ایسے طبقوں کے لئے ضرورت ہے۔ بنك قرضوں کا حال یہ ھے کہ مسلمانوں کو ملنے والے قرضے دوسری اقلیتوں کو دئے جانے والے قرضوں کے مساوی نہیں بلکہ محض ان کا دوتہائی ہیں۔بعض اوقات تو یہ صرف ان کے آدھے ھی ہیں۔ اقلیتوں کے لئے وزیر اعظم کے پندرہ نکاتی پروگرام کے تحت اقلیتوں کے درمیان بنك خدمات اور قرضوں کی سہولیات بڑھانے کے لئے ریزرو بنك آف انڈیا کی کوششوں کا خاص فائدہ پسماندہ مسلمانوں کے بجائے دوسری اقلیتوں کو ہوا۔

مسلمان بنکوں سے گریزاں نہیں ہیں اور خصوصی اقدامات سے اس میں مزید بہتری لائی جاسکتی ہے۔ دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں نامعقول منصوبہ بندی کی وجہ سے ناکامی ہوتی ہے۔ کچھ بنکوں نے تو مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں کی

”نگیٹیوجیوگریفکل زونس“ کے طور پر نشان دھی کررکھی ھے۔چنانچہ مسلمانوں کو براہ راست قرض فراھم کرنے اور اطلاعات رسانی کے نظام میں شفافیت لانے کے لئے خاص اقدامات شروع کرنے چاھئیں۔

چھوٹے گائوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب اور وھاں تعلیمی اور رھائشی انفراسٹکچر کی فراھمی میں واضح طور سے نظر آنے والا ایك الٹا تعلق ھے۔یعنی جھاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب جتنا زیادہ ھے وھاں ان سھولیات کی اتنی ھی کمی ھے۔حد یہ ھے مسلم آبادی والے گائوں کو مین روڈ سے جوڑنے کے لئے پکے راستے بھی نھیں ھیں اور نہ ھی وھاں بس اسٹاپ ھیں۔ریاستوں میں مسلم آبادیوں کے درمیان ڈھانچہ جاتی سھولیات کی کمی کا مطلب یہ ھے کہ مسلم فرقہ کا بڑا حصہ بنیادی سھولیات سے محروم ھے۔شھری اور دیھی دونوں علاقوں میں پختہ مکان رکھنے والے مسلمانوں کا تناسب پوری آبادی کے تناسب میں بھت کم ھے۔ مسلم اکثریت والے علاقوں کے موازنہ میں کم مسلم آبادی والے علاقوں کے اندر بھتر سڑکیں ھیں اور فضلہ کی نکاسی و پانی کی سپلائی کی بھتر سھولیات موجود ھیں۔شھری علاقوں میں مسلم گھرانوں کا بڑا حصہ ۵۰۰ روپے ماھانہ سے کم خرچ کے دائرے میں ھے۔

آئی اے ایس میں مسلمانوں کی موجودگی صرف ۳ فیصد، آئی ایف ایس میں صرف ۱ء۸ فیصد اور آئی پی ایس میں صرف ٤ فیصد پائی گئی ھے۔جملہ محکموں میں مسلمانوں کے روزگار کا حصہ ھر سطح پر کم ھے۔ریلوے میں صرف ٤ء٥ فیصد ملازمین ھی مسلمان ھیں اور ان میں بھی ۹۸ء۷ فیصد لوگ نچلی خدمات پر مامور ھیں۔یونیورسٹیوں اور بنکوں میں بھی مسلم نمائندگی بھت کم ھے۔کسی بھی ریاست کے سرکاری محکموں میں مسلمانوں کا تناسب اس ریاست میں ان کی آبادی کے تناسب سے نھیں ھے۔ پولس کانسٹبلری میں ان کا حصہ صرف ٦ فیصد ، صحت میں صرف ٤ء٤ فیصد اور ٹرانسپورٹ میں ٦ء٥ فیصد ھی ھے۔ان محکموں میں جن کا عوام سے براہ راست سروکار ھوتا ھے اور حساس قسم کی ذمہ داریاں وھاں سے انجام پاتی ھیں ان میں مسلمانوں کی قابل لحاظ نمائندگی کو یقینی بنانے کی سب سے زیادہ ضرورت ھے۔ منصوبہ بند اور متعین پروگرام اس سلسلے میں مطلوب ھیں۔آئی سی ڈی ایس پروگراموں میں مسلمانوں کا احاطہ زیادہ تر ریاستوں میں بھت کم ھے۔ مولانا آزادایجوکیشن فائونڈیشن کی کارکردگی کو بھتر بنانے کے لئے اس کا فنڈ ایك ھزار کروڑ روپے تك بڑھانے کی ضرورت ھے۔ مدرسہ جدیدکاری اسکیم کے تحت ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰٤ء تك ۱۰٦ کروڑ روپے مختص کئے گئے ،لیکن اس بارے میں عوامی اطلاعات مناسب طریقے سے نشر نھیں کی گئیں۔ منتخب اداروں میں اگر مسلمانوں کا حصہ کم ھے تو انھیں فیصلہ سازی کے امور میں نامزدگی کے ذریعہ شریك کیا جانا چاھئے۔

۱۹۵۰ کا صدارتی حکم نامہ دستور کی دفعہ ۱٤، ۱۵، ۱٦ اور ۲۵ سے متصادم اور متغائر ھے، جن کی رو سے تمام شھریوں کو مساوی مواقع ، ضمیر کی آزادی اور مذھب ، نسل و ذات کی بنیادپر تفریق و امتیاز سے تحفظ کی ضمانت ملتی ھے۔مسلم پسماندہ طبقات، ھندو پسماندہ طبقات کے موازنہ میں اکثر و بیشتر محروم ھیں۔ کاموں میں حصہ داری کے تناسب کا پیمانہ "Work Participation Rate" (WPR) ھندو پسماندہ طبقات (٦۷فیصد) اور مسلم پسماندہ طبقات کے درمیان واضح فرق کو ظاھر کرتا ھے۔ ۱۰۰ کارکنوں میں ۱۱ ھندو اور صرف ۳ عام زمرے کے مسلمان و ایك اوبی سی ھے۔مسلمانوں کی ماھانہ فی کس آمدنی کا اوسط قومی سطح پر ماھانہ فی کس آمدنی کے اوسط سے بھت کم ھے۔ پسماندہ طبقوں کے لئے استحقاقی فوائد مسلم او بی سیز تك ابھی نھیں پھنچے ھیں۔ عام مسلمانوں کی مجموعی حالت ھندو اوبی سیز سے بھی بد تر ھے، جو کہ ریزرویشن کا فائدہ اٹھارھے ھیں۔

پورے ملك میں وقف کی پانچ لاکھ رجسٹرڈ جائدادیں ھیں جو چھ لاکھ ایکڑ پر پھیلی ھوئی ھیں اور پرانے بھی کھاتوں کے مطابق ان کی مالیت چھ ھزار کروڑ روپے ھے۔تب سے اب تك قیمتوں میں اضافہ کی شرح کو ذھن میں رکھتے ھوئے حساب لگایا جائے تو پورے ملك میں وقف املاك کی موجود ہ مالیت تقریباً بارہ ھزار کروڑ روپے ھونی چاھئے۔ لیکن ان سب کی مجموعی سالانہ آمدنی محض ایك سو تریسٹھ(۱٦۳) کروڑ روپے ھے۔یعنی کل سرمائے کی فقط ۲ء۷ فیصد! ان جائدادوں کی آج کی مالیت کے لحاظ سے یہ تناسب اور بھی کم ھوجاتاھے۔وقف بورڈوں کا انتظام غیر اطمینان بخش ھے اور اس کی وجہ ریاستی وقف بورڈوں اورسینٹرل وقف کائونسل کے ناکافی اختیارات ھیں۔حکومت کے ذریعہ وقف جائدادوں پر قبضہ ایك عام بات ھے۔ ریاستی حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں کے رویے کی وجہ سے ، وقف کے عظیم مقاصد کو بڑے پیمانے پر

نقصان پہنچا ھے۔چنانچہ نئے سرے سے ادارہ جاتی استحکام ضروری ہو گیا ھے۔ وقف جائدادوں کی ایک بڑی تعداد کو ایکوائر بھی کرلیا گیا ھے لیکن ان کا معاوضہ نہیں دیا گیا ھے۔وقف کی ان پانچ لاکھ جائدادوں کے انتظام کو بہتر بنانے کے لئے مقننہ ، عدلیہ اورانتظامیہ کی سطح پر وقف معاملات کو زیادہ سے زیادہ ترجیح ملنی چاھئے۔ ریاستی وقف بورڈوں کے لئے چیئرمین اور ممبروں کا انتخاب اس ریاست کے نمایاں لوگوں میں سے کیا جانا چاھئے۔حکومت کو وقف معاملات کو موثر انداز میں سنبھالنے کے لئے افسران کا ایک نیا کیڈر تشکیل دینا چاھئے جو اسلامی معلومات سے بھرہ مند ھو اور وقف کے لئے خصوصی تربیت اسے حاصل ھو۔قومی اور ریاستی سطح پر وقف ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کئے جائیں۔ جو وقف جائدادیں رجسٹرڈ سوسائٹیز، ٹرسٹ اور اداروں کے ذریعہ تعلیم، صحت اور ان جیسی دیگر عوامی خدمات کے تصرف میں ھیں ان کی لیز کی مدت ۳۰ سال تک بڑھائی جائے۔ وقف کی جائدادوں کو رینٹ کنٹرول ایکٹ سے ھر صوبے میں مستثنیٰ کیا جائے۔ وقف ٹریبونل میں کل وقتی پریزائڈنگ آفیسر مقرر کیا جائے جو وقف معاملات دیکھنے کے لئے ھی مخصوص ھو۔وقف جائدادوں پر سے قبضے ہٹوانے کے لئے "پبلک پریمائز ایوکشن ایکٹ" (عوامی عمارتوں کے تخلیہ کا قانون) نافذ کیا جائے۔

مسلم فرقہ ترقی کے تمام پہلوئوں میں عملاً نقصان اور محرومی سے دوچار ھے۔ مساوات اور حصہ داری کو یقینی بنانے کے لئے ایسا میکانزم ھو کہ تنوع کا نشانہ حاصل ھوسکے اور تفریق و تعصب کے تصورات کو ختم کیا جاسکے۔کمیٹی نے ایسا نیشنل ڈاٹا بنک قائم کرنے کی سفارش بھی کی جس میں جملہ سماجی مذھبی فرقوں سے متعلق معلومات کا نظم ھو۔اسی کے ساتھ ایک خود مختار جائزہ اور نگرانی اتھارٹی تشکیل دی جائے جو حکومت کے جملہ پروگراموں سے تمام فرقوں کو حاصل ھونے والے ترقیاتی فوائد کے جائزے پرمامور ھو۔ علاوہ ازیں محروم طبقات کی شکایتوں کے ازالے کے لئے ایک مساوی مواقع کمیشن تشکیل دیا جائے۔ حکومت میں شمولیت کی سطح بڑھانے کے لئے نامزدگی کا ایک محتاط طریقہ کار وضع کیا جائے۔ کمیٹی نے محفوظ انتخابی حلقوں سے متعلق بے قاعدگیوں کو ختم کرنے سفارش بھی کی۔

ڈائیورسٹی انڈیکس پر مبنی انسینٹیوز اسکیم (Incentives based on Diversity Index) شروع کرنے کی سفارش بھی کمیٹی نے کی ھے تاکہ تمام شعبوں میں متناسب تنوع کو یقینی بنایا جاسکے۔اسی طرح درسی کتابوں کے مواد کو جانچنے کا عمل شروع کرنے اور اسے ادارہ بند بنانے کی ضرورت بھی ظاھر کی گئی ھے اور کہا گیا ھے کہ یوجی سی کو ایک ایسا سسٹم وضع کرنا چاھئے جس سے اسکولوں و کالجوں کو دی جانے والی امداد کو طلباء میں متناسب تنوع کے ساتھ جوڑا جائے۔ یعنی جن اسکولوں اور کالجوں میں تمام فرقوں کے طلباء کو جس تناسب میں داخلہ دیا جاتا ھو انھیں سرکاری امداد کا حصہ بھی اسی تناسب سے دیا جائے۔تمام فرقوں میں پسماندہ ترین طبقوں کے بچوں کے داخلے کو یقینی بنانے کے لئے یونیورسٹیوں اور خود مختار کالجوں میں متبادل داخلہ نظام اپنانے کی ضرورت ھے۔ٹیچر ٹریننگ کو لازمی بنایا جائے اور ان کے تربیتی نصاب میں سماجی تکثیریت اور تنوع کی اھمیت کو لازمی طور سے شامل کیا جائے۔ مسلمانوں اور دیگر کمزور طبقات کے جذبات اور ضروریات کے تئیں ٹیچرز کو حساس اور باشعور بنانے کی ضرورت ھے۔اقلیتی طبقوں کے طلباء کے لئے کم خرچ پر ھاسٹل کی سہولیات فراھم کرنے کو ترجیحات میں شامل کیا جائے۔ریاستوں کو اردو میڈیم اسکول قائم کرنے چاھئیں اور مدرسوں کو ھائر سیکنڈری اسکول بورڈوں سے ملحق کرنا چاھئے تاکہ مدرسے کی ابتدائی تعلیم کے بعد ریگولر اسکول میں داخلہ کے خواھش مند طلباء کو وھاں داخلہ مل سکے۔مدرسوں کی سند کو مقابلہ جاتی امتحانوں کے لئے منظور کئے جانے کی بھی ضرورت ھے۔

کمیٹی نے اس بات کی بھی سفارش کی کہ پرائیوٹ سیکٹر کے بنکوں میں مسلمانوں کی رسائی کے امکانات بڑھائے جائیں۔فی الواقع ایسے پالیسی اقدامات کی ضرورت ھے جن سے بزنس اور کمرشیل بنکوں میں اقلیتوں، خاص طور سے مسلمانوں کا حصہ بڑھ سکے۔ انٹرویو پینل اور بورڈوں میں بھی مسلم فرقے کو خاطر خواہ نمائندگی دی جائے۔ تعلیم اور صلاحیتوں کے ارتقاء کے پروگراموں کے ذریعہ کمزور اور محروم لوگوں کو مواقع کا فائدہ اٹھانے کے لئے مدد فراھم کی جائے۔ جھاں مسلمانوں کی معقول آبادی ھے وھاں روزگار کے وسائل بڑھانے کے لئے مالی اور دیگر تعاون دیا جائے۔

....